بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیمؕ

نظرات

"فکر و نظر" کے پچھلے شماروں میں مولانا مفتی امجد العلی سابق استاد الحدیث مطلع العلوم رامپور کا ایک مضمون بعنوان "تشکیلِ قوانینِ اسلامی کے تاریخی مراحل" کئی قسطوں میں چھپا ہے۔ یہ مضمون اصل میں تو ماہنامہ "بینات" کراچی کے اُن اعتراضات کے جواب میں لکھا گیا تھا، جو مجلہ مذکور نے ادارۂ تحقیقات اسلامی سے شائع ہونے والی کتاب "مجموعہ قوانینِ اسلام" پر کیے تھے، لیکن اس ذیل میں جہاں اسلامی قوانین کی تشکیل کے تاریخی مراحل کا ذکر کیا گیا، وہاں اسلامی قوانین کی آئندہ تشکیل کے بارے میں بھی بعض بنیادی باتیں زیرِ بحث آئی ہیں۔ اور مفتی صاحب نے معاصر علماءِ کرام کی توجہ ان کی طرف مبذول کرائی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، آپ کے بعد صحابہ، پھر تابعین اور اُن کے بعد تبع تابعین کے عہد میں اسلامی قوانین کی تشکیل کی کیا نوعیت تھی؟ اس سلسلے میں مختلف حوالے نقل کر کے مفتی صاحب نے بتایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں وحیِ قرآنی کے ذریعہ احکام حاصل کیے جاتے تھے اور آنحضرت صلعم اپنے قول اور فعل سے بالمشافہ خطاب کر کے اُن کی وضاحت فرما دیتے تھے۔ اس ضمن میں نقل، نظر اور قیاس کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔ عہدِ صحابہ میں یہ معمول تھا کہ جب کوئی واقعہ پیش آتا تو اولاً کتاب اللہ اور اس کے بعد سنتِ نبویؐ کی طرف رجوع کیا جاتا۔ پھر اجتہاد و قیاس سے کام لیا جاتا۔ تابعین کے دور میں بھی اسی طریقے پر عمل ہوتا رہا۔ البتہ اس دور میں اقوالِ صحابہؓ سے استدلال کرنے کا اضافہ ہو گیا۔ اور جب تبع تابعین کا زمانہ آیا، تو وہ کتاب اللہ، سنتِ نبویؐ اور اقوال و فتاویٰ صحابہ کے علاوہ تابعین کے فتاویٰ کو بھی استخراجِ احکام میں پیشِ نظر رکھنے لگے۔

اس تمام عرصے میں استخراجِ احکام یا تشکیلِ قوانین کے سلسلے میں یہ چار اُصول مدارِ علیہ تھے: کتاب اللہ،

سنتِ نبویؐ، قیاس اور اجماع۔ صحابہ، تابعین، تبع تابعین، نیز مابعد کے تمام فقہاء کے نزدیک ان اُصولِ اربعہ پر اتفاق تھا، لیکن اس اتفاق کے باوجود احکام و مسائل میں اختلاف ہوا۔ اور فقہ کے مختلف مذاہب وجود میں آئے۔ اس کے متعلق مفتی صاحب لکھتے ہیں :۔

احکام و مسائل کا استخراج نصوص پر مبنی تھا۔ یہ نصوص شارع علیہ السلام سے لے کر آخر تک عربی زبان میں تھیں۔ اور عربی زبان کے الفاظ بیک وقت متعدد اور متضاد معنوں کے حامل ہو سکتے ہیں۔ پھر احادیث مختلف طریقوں سے روایت کی گئی تھیں۔ اور ان سے جو احکام مستخرج ہوتے تھے' اُن میں تضاد پایا جاتا تھا۔ اس لئے ایک حکم کو دوسرے پر ترجیح دینے کی ضرورت پڑتی تھی۔ اس کے علاوہ نئے زمانے کے ساتھ ساتھ نئے اُمور پیش آ رہے تھے اور اُن کے عین مطابق نصوص کا مل جانا دشوار ہو رہا تھا جن اُمور کے متعلق نص نہ ملتی، اُن کو اُن کے مشابہ اُمور پر قیاس کر کے اُن کے بارے میں حکم کا استخراج کیا جاتا۔ اب ایک تو یہ فیصلہ کرنا کہ فلاں امر فلاں کے مشابہ ہے پھر اس مشابہت کو ثابت کر کے اُس کے لئے نئے حکم کا استخراج کرنا غیر معمولی ذہنی صلاحیتیں چاہتا ہے۔ اور افراد کی ذہنی صلاحیتوں میں تو فرقِ مراتب ہوتا ہی ہے۔ غرض یہ وجہ تھی جس سے خود صحابہ، تابعین اور ائمہ فقہ میں اختلافات رونما ہوئے۔

اس سلسلے میں بحوالہ مفتی صاحب، جامعہ اسکندریہ (مصر) میں اسلامی قانون کے ایک پروفیسر نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ فقہاءِ صحابہ و تابعین اور اُن کے بعد آنے والے اپنے فتوؤں میں اوّلاً کتاب اللہ کی طرف رجوع کرتے۔ اگر وہاں سے کوئی حکم نہ ملتا تو پھر سنت کی طرف رجوع کرتے، اور اگر وہاں سے بھی حکم نہ ملتا تو وہ اجتہاد کرتے اور مشابہ اُمور کو دوسرے مشابہ اُمور پر قیاس کرتے۔ اس کے بعد پروفیسر موصوف لکھتے ہیں :۔

> اس ضمن میں شریعت اسلامی نے احکام کے بارے میں جس امر کو ملحوظ رکھا ہے۔ اور بندوں کے لئے جلبِ مصالح اور لوگوں کی تکلیفیں دُور کرنے اور اُن سے تنگی اور مشقت رفع کرنے کے ذیل میں قانون سازی (تشریع) میں شریعت اسلامی کے جو مقاصد ہیں، وہ اُن سے مطابقت کا خیال رکھتے۔

اس کے ثبوت میں مفتی صاحب نے حضرت عمرؓ کے عہدِ خلافت میں عراق کی مفتوحہ زمینوں کی تقسیم کے واقعہ کا ذکر کیا ہے۔ کئی ممتاز صحابہ جن میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ پیش پیش تھے، ان زمینوں کو مسلمان مجاہدین پر

تقسیم کرنے پر مُصر تھے، لیکن حضرت عمرؓ نے اُن کی بات نہ مانی اور یہ زمین اصل مالکوں اور کاشت کاروں کے پاس رہنے دی گئی۔ مفتی صاحب لکھتے ہیں :- اس معاملے میں حضرت عمرؓ نے ایک رائے قائم کی۔ اور اُس کی مصلحت بھی اُنہوں نے بتائی۔ یہ رائے بظاہر کتاب وسنت کے مخالف تھی۔ اور جو صحابہ اس رائے کے خلاف تھے، قرآن وسنت دونوں اُن کے قول کے واضح طور پر موافق تھے، لیکن حضرت عمرؓ کی نظر جہاں پہنچی، وہاں مخالف جماعت کی نظر نہ پہنچ سکی۔ گو حضرت عمرؓ نے اپنی اس رائے کی تائید میں قرآن مجید کی بھی سند پیش کر دی۔ مفتی صاحب کے الفاظ میں :-

> اس واقعہ سے دو امور کا انکشاف ہوا۔ ایک یہ کہ ایک مجتہد و فقیہہ کی نظر کبھی ایسے مقام تک پہنچ جاتی ہے، جہاں دوسرے کی نظر کی رسائی نہیں ہوتی۔ دوم یہ کہ گو حضرت عمرؓ کے سامنے رسول اللہ صلعم کا وہ عمل موجود تھا، جو آپؐ نے خیبر کی اراضی کے بارے میں کیا تھا، لیکن عامۃ الناس کی مصلحت کے پیش نظر انھوں نے اس پر کفایت نہ کی اور یہ خیال نہ کیا کہ آنحضرت صلعم کا وہ عمل دائمی طور پر مابعد کے لئے قطعی فیصلہ ہے۔ یہ اس امر کی دلیل ہے کہ تغییر الاحکام بتغیر الازمان تبعاً لعللها والمصالح والحقیقۃ المشروعۃ۔

چور کی سزا کا کتاب اللہ میں صریح حکم موجود ہے، لیکن حضرت عمرؓ نے خاص حالات میں اس سزا کو نافذ نہیں کیا۔ مفتی صاحب نے اس واقعہ کا تفصیل سے ذکر کرنے کے بعد جامعہ عین الشمس (قاہرہ) میں اسلامی قانون کے ایک پروفیسر کی یہ رائے نقل کی ہے :- اونٹنی کی چوری پر حضرت حاطب کے غلاموں کے، جنہوں نے یہ چوری کی تھی، ہاتھ نہ کاٹنا۔ اسی طرح قحط سالی میں قطع ید سے منع کرنا۔ حضرت عمرؓ کے یہ دو مشہور و معروف فیصلے ہمیں بالتاکید بتاتے ہیں کہ شرعی احکام علتوں کے لئے جو ان احکام کا تقاضا کرتی ہیں، اور مقاصد کے لئے جن تک یہ احکام لے جاتے ہیں، وضع کئے جاتے تھے۔ اس کے لئے بعض دفعہ ظاہر حکم کو چھوڑنا پڑتا ہے۔ اسی کو صحابہ نے اور جو اُن کے نقش قدم پر چلے، سمجھا تھا۔

مفتی صاحب لکھتے ہیں کہ اس دور میں حضرات علماء و فقہاء تلاش بسیار کے باوجود بھی جب کسی مسئلے کے بارے میں قرآن وسنت میں کوئی حکم نہ پاتے تو پھر وہ اجتہاد رائے سے کام لیتے۔ وہ نصوص کی روشنی میں اس موقف کی تلاش کرتے، جو عقل سلیم کے نزدیک ان نصوص سے مستخرج ہوتا اور ان

تمام علل و مصالح کو پیش نظر رکھتے، جو شریعت اسلامی نے اپنے احکام میں ملحوظ رکھی ہوتیں۔ غرض ان علل و مصالح و مقاصد کی تلاش ان حضرات کا اوّل فریضہ تھا۔ اس دَور میں جو پہلی اور دوسری صدی ہجری تک ممتد رہا، کسی خاص فقہی مذہب کی تقلید پر لوگوں کا اجتماع نہیں ہوا تھا۔

تبع تابعین کے عہد میں ایسے حالات پیدا ہوگئے کہ فقہ میں تقلید شخصی لازم ہوگئی۔ گو اس عہد میں متعدد ایمہ مجتہدین ہوئے لیکن ان میں صرف چار ہی کے فقہی مذاہب باقی رہے۔ مفتی صاحب لکھتے ہیں کہ اس عہد میں تمام فقہاء و مجتہدین کی اجتہادی آراء کو شریعت اسلامی کے قوانین حقہ تصوّر کیا جاتا رہا۔ یہ کبھی نہیں ہوا کہ امام شافعی یا اُن کے متبعین متقدمین نے امام ابو حنیفہ یا امام مالک یا امام حنبل کے فقہی مسائل کو غیر اسلامی شمار کیا ہو۔ یا حنفی و مالکی و حنبلی مقلدین کو فقہ شافعی کے خلاف عمل کرنے پر ملحد فی الدین یا خارج از اسلام تصوّر کیا ہو، .... بلکہ شاہ ولی اللہ صاحب اور دوسرے ایمہ فقہ و حدیث کے بیان کی روشنی میں یہ ثابت ہوتا ہے کہ خود ایمہ بعض اوقات اپنے مسلک کو چھوڑ کر دوسرے مسلک پر عمل فرمالیا کرتے۔

اس کے بعد وہ دَور آیا کہ اپنے مخصوص ایمہ فقہ کی اندھی تقلید اور دوسرے مذاہب فقہ کے ایمہ کی تنقیص ایک لازمہ دین بنالیا گیا۔ اور تقلید و جمود کا یہ روگ برابر بڑھتا گیا۔ مفتی صاحب نے اس ضمن میں ان امور کا ذکر کیا ہے جو اس صورت حال کے موجب بنے۔ بے شک اسی دَور میں ایمہ اربعہ کے مقلدین میں ایسے حضرات بھی ہوئے ہیں جن کا دامن اس قسم کی تقلید سے پاک رہا۔ چنانچہ شیخ عبدالوہاب الشعرانی متوفی ۹۷۳ھ نے لکھا ہے:۔ جس طرح انبیاء کے لائے ہوئے احکام میں طعن جائز نہیں حالانکہ ان کے شرائع کے احکام میں باہم اختلاف ہے۔ اسی طرح ایمہ مجتہدین نے جن مسائل کا بطریقہ اجتہاد و استحسان استنباط کیا ہے، ان میں طعن جائز نہیں۔ اسی کی ایک مثال خود اس برّصغیر میں حضرت شاہ ولی اللہ کی ہے۔

تشریع اسلامی کے ان مراحل کو بیان کرنے کے بعد مفتی امجد العلی صاحب نے آج کے دَور کا ذکر کیا ہے، جس میں ہم ہیں۔ اور بتایا ہے کہ اس دَور کی جملہ قانونی ضرورتیں شریعتِ اسلامی کی رُو سے کس طرح پوری کی جاسکتی ہیں۔

وہ لکھتے ہیں کہ موجودہ دَور میں ایک مذہب فقہ میں محصور ہوکر ہم اپنی قانونی ضرورتیں پوری نہیں کرسکتے۔ کیونکہ بعض مسائل کے بارے میں ایک مذہب میں وسعت ہے اور دوسرے میں تنگی۔ اسی وجہ سے بہت سے اسلامی ممالک میں موجودہ حالات کے لئے جو قوانین بنائے جارہے ہیں، اُن میں تمام مذاہب سے یکساں طور پر استفادہ کیا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں پہل دولت عثمانیہ نے کی۔ اس کے بعد دوسرے مسلمان ملکوں نے بھی اس طریقے کو اختیار کیا۔

اس ضمن میں مفتی صاحب نے جامعہ اسکندریہ کے پروفیسر کی اسلامی قانون کی کتاب سے یہ عبارت نقل کی ہے۔ ۱۹۳۶ء میں کبار علماء کی ایک لجنہ (کمیٹی) شیخ الجامع الازہر کی زیر صدارت بنائی گئی۔ اور اس نے میراث و وصیّت و وقف وغیرہ کے قوانین کو از سر نو مرتب کیا۔ جنہیں مصری پارلیمنٹ کے سامنے پیش کیا گیا۔ انھیں بعض ترمیموں کے بعد منظور کر لیا گیا۔ ان قوانین میں مذہب حنفی سے اختلاف کیا گیا۔ اور بہت سے مسائل میں اس سے اعراض کر کے دوسرے مذاہب فقہ کے اقوال لئے گئے ایمہ مجتہدین میں سے کسی معین امام کی رائے یا ایک مذہب فقہ کو چھوڑ کر دوسرے مذہب کی عدم پابندی کے ساتھ۔ یہ اس لئے کہ عدل و انصاف اور مصلحت عامہ کا مقصد پورا ہو اور لوگوں کو شرعی عدالتوں کے صرف ایک ہی مذہب یعنی مذہب حنفی پر لازماً عمل کرنے سے جو مشقت اور تنگی ہوتی تھی، وہ دُور ہو سکے۔ ان قوانین میں ترمیم کرتے ہوئے جہاں مذہب حنفی سے اختلاف کیا گیا ہے، وہاں دوسرے مذاہب اسلامی کے جو آسان احکام تھے، انھیں لیا گیا ہے۔

ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی سے شائع ہونے والی کتاب "مجموعۂ قوانین اسلام" میں اسی طریقہ کو اپنایا گیا ہے۔ مفتی صاحب نے اس ضمن میں کہا ہے:-

> جو شخص بھی آج کے احوال و مسائل کے لئے احکام شرعیہ مرتب کرے گا، اسے لازماً یہی راستہ اختیار کرنا ہوگا۔ وہ جب تک اپنے تقلیدی تعصب و عناد کو پس پشت ڈال کر سلف صالحین کے اس طریقے کو اختیار نہ کرے گا، وہ کوئی خاطر خواہ اور مفید نتیجہ نہیں پیدا کر سکے گا۔

اس کے بعد مباح کا مسئلہ ہے، جس پر مفتی امجد العلی صاحب نے بڑی تفصیل سے بحث کی ہے "مجموعۂ قوانین اسلام" کے ناقدین نے مرتب کتاب کے اس بیان پر کہ "نابالغوں کی شادیاں کرنا کوئی امر

تاکیدی نہیں ہے۔ بلکہ ایک امر مباح ہے۔ مقتدر اعلیٰ یا ملک کا قانون ساز ادارہ معاشرے کے مفاد میں اس کو موقوف یا معطل یا مقید کر سکتا ہے"، اعتراض کیا تھا۔ مفتی صاحب نے اس کے جواب میں بتایا ہے کہ موصوف (مرتب کتاب) کا یہ اپنا ذاتی خیال نہیں۔ بلکہ یہی قول عام علماء مصر و دیگر ممالک اسلامیہ کا بھی ہے۔ اس ضمن میں انھوں نے جامعہ عین الشمس (قاہرہ) کے پروفیسر قانون اسلامی ڈاکٹر محمد موسیٰ کی کتاب سے یہ اقتباس نقل کیا ہے:" ..... ولی الامر کو بعض مباحات میں پابندی کا اس وقت حق حاصل ہے جبکہ مباح کے سلسلے میں مصلحت کا اقتضاء ہو۔ خواہ یہ تخصیص نص یا ترک ظاہر نص کی صورت ہی کیوں نہ ہو" اسی کی تائید میں سید رشید رضا کا ایک قول نقل کیا گیا ہے کہ امام کو حق حاصل ہے کہ مباح کو ممنوع کر دے جبکہ اس کے ارتکاب میں کسی مفسدہ کا خوف ہو۔ جب تک کہ یہ مفسدہ قائم رہے اور مصلحت اس ممانعت کو چاہتی ہو۔ اسی ذیل میں تعدد ازواج پر حکومت کی طرف سے پابندی لگانے کو جائز اور صحیح قرار دینے کا مسئلہ ہے۔ اس کے ثبوت میں مفتی صاحب نے قاضی علاؤالدین خرافہ قاضی بصرہ کی کتاب کا حوالہ پیش کیا ہے۔ موصوف کہتے ہیں کہ اگر مصالح عامہ کے اقتضاء کے تحت احکام میں تغیّر و تبدل نہیں ہو سکتا اور مباح کو غیر متبدل قرار دینے کا اصول لازمی مانا جاتا ہے، تو پھر کسی قسم کی مزید تشریع اسلامی کا امکان نہیں رہتا۔

مفتی صاحب نے اپنے مضمون کے آخر میں علماء کرام کی توجہ اس طرف مبذول کرائی ہے کہ موجودہ دور میں ہر اسلامی ملک میں وہاں کی حکومتیں ہی قوانین اسلامی کی تشکیل کا کام سرانجام دے رہی ہیں اور اس میں ان ملکوں کے علماء ان کے ساتھ پورا تعاون کر رہے ہیں۔ مفتی صاحب کے اپنے الفاظ میں" پاکستان میں حکومت کا میلان اس طرف پیدا نہ ہوا اور نہ اب تک ہے (ہمارے نزدیک یہ صحیح نہیں۔ مدیر) لیکن اس کی ذمہ داری صرف ایک جانب پر عائد نہیں کی جا سکتی، بلکہ یہ ہر دو جانب کے وقار و عزت کی بقا کی خواہش کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ ہر جانب نے اپنے لئے یہ پسند نہ کیا کہ تعاون و محبت کا پہلا ہاتھ اس کی طرف سے بڑھایا جائے اور اس عمل کو اپنے حق میں ذلّت اور تحقیر تصور کیا۔ حالانکہ ایسے حالات میں مصلحت کا تقاضا یہ تھا کہ اگر ایک جانب کشیدگی شدت اختیار کئے ہوئے تھی تو دوسری جانب محض دینی خدمت اور بقاء اسلام کے پیش نظر اپنے وقار و شہرت و عزت کو قربان کر دیتی اور ایسے حالات کی ابتدا کرتی جو نفرت کو محبت سے اور

حقارت کو عزت سے تبدیل کر دیتے۔"

موصوف نے علماء کے موجودہ رویّے پہ دلی افسوس کا اظہار کرتے ہوئے لکھا ہے:۔" کاش علماء پاکستان کی طرف سے جتنا وقت ذہنی صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر نقد و تنقید اور مجادلہ و مکابرہ، باہمی بغض و عناد، بُعد و بیگانگی اور نفرت و حقارت کے جذبات کی تخم ریزی میں صرف کیا جاتا ہے۔ اُتنا یا اُس سے کم ہی تدوینِ قوانین شرعیہ میں صرف کیا جاتا اور ایسے تمام قوانین کی تدوین کی جاتی جو حکومت کے غیر اسلامی موجودہ مروجہ قوانین کی جگہ لے لیتے، جیساکہ دیگر ممالک اسلامیہ کے علماء و فضلاء نے اپنے مخصوص مسالک پر رہتے ہوئے تعصب اور عناد کے اثرات سے بالاتر ہوکر قوانین کی تدوین کرلی ہے۔

گزشتہ فروری میں ہمارے ہاں جو بین الاقوامی اسلامی کانفرنس ہوئی، اس کا ایک سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا ہے کہ اِن سالوں میں پہلی دفعہ راسخ العقیدہ طبقہ علماء میں سے بعض ممتاز بزرگ اور وہ لوگ جنہیں اصطلاحاً تجدد پسند کہا جاتا ہے، ایک جگہ جمع ہوئے۔ انھوں نے بعض اہم قانونی مسئلوں پر باہم تبادلہ خیالات کیا۔ اور دونوں نے ایک دوسرے کے نقطہ ہائے نظر کو سمجھنے کی کوشش کی۔ "قدیم" اور "جدید" کا یہ اجتماع بڑی پُرخلوص اور احترام سے بھرپور فضا میں ہوا۔ خدا کرے باہم افہام و تفہیم کی یہ کوشش ذریعہ بنے اس منزل تک پہنچنے کا۔ جس تک ہم سے پہلے بہت سے مسلمان ملک پہنچ چکے ہیں۔ یعنی وہاں راسخ العقیدہ علماء نے حکومت اور جدید قانون کے ماہرین سے پورا تعاون کیا، اور اس طرح ان ملکوں میں آج کی ضرورتوں کے مطابق اسلامی قوانین کی تشکیل کرلی گئی۔

ہمارے ہاں وقتاً فوقتاً ایسے قانونی مسائل پیدا ہوتے رہتے ہیں، جن کے بارے میں قانونی پیشہ سے تعلق رکھنے والے بالخصوص اور اسلامی علوم کا مطالعہ کرنے والے بالعموم کسی جامع قانونی مرجع کی ضرورت محسوس کرتے ہیں۔ اس کے پیش نظر ادارہ تحقیقات اسلامی نے اسلامی قوانین پر مشتمل ایک انسائیکلوپیڈیا مرتب کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس سلسلے میں کسی مسئلہ کے متعلق جو بھی مواد کتاب، سنت اور کتب فقہ سے مل سکتا ہے۔ ایک تو اسے جمع کیا جائے گا۔ دوسرے اس بارے میں جدید نظریاتِ قانون بھی ذکر کئے جائیں گے۔ آخر میں محاکمہ ہوگا اور حسب ضرورت مناسب تجاویز پیش کی جائیں گی۔ اس انسائیکلوپیڈیا کی تیاری میں فقہ کے متبحر علماء حضرات سے رجوع کیا جا رہا ہے۔